عثمان پبلک اسکول سسٹم

USMAN PUBLIC SCHOOL SYSTEM

UPSS

Shaping the leaders of Ummah

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

تربیہ

پندرہ روزہ

01-15 AUGUST 2022

- فہم القرآن
- فہم الحدیث
- سیرتِ نبویؐ
- تعلیم وتربیت
- شخصیت
- انٹرویوز
- تعمیر شخصیت
- کیریر کونسلنگ
- طب و صحت
- اقبالیات
- گوشہ عثمانینز
- اقدار
- رہنمائے والدین
- سائنس وٹیکنالوجی
- تعارفِ کتاب
- تاریخ

اے حرم کی
تعمیر کرنے والے مسلمان

پورے جہاں کی
تعمیر کے لیے اٹھ کھڑا ہو

برائے رابطہ

تبصرے اور آراء کیلیے اس ای میل پر رابطہ کریں

mcd@usman.edu.pk

پاکستانیات

بریگیڈئیر ظفر اقبال چوہدری اپنی کتاب ”یادوں کی دھنک“ اشاعت دوم فروری 2001 میں لکھتے ہیں

قائد اعظمؒ نے پاکستان بننے کے بعد مولانا مودودیؒ کو دعوت دی تھی کہ وہ ریڈیو پر اپنے لیکچرز کے ذریعے اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لیے پاکستانی عوام کی رہنمائی کریں ۔

ریڈیو پاکستان سے مولانا نے قائد اعظمؒ ہی کی تحریک پر بہت سی تقاریر کیں جو اسلامک پبلی کیشنز نے” اسلام کا نظامِ حیات “اور ”نشری تقریریں “ کے نام سے شائع کیں وہ آج بھی کتابی صورت میں موجود ہیں ۔سید مودودیؒ نے پاکستان کو فی الواقعہ اسلامی ریاست بنانے کے لیے دل وجان سے علمی و عملی جدوجہد کی ۔قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ کے دیگر قائدین نے تحریک پاکستان میں متعدد مرتبہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کا اعلان کیا۔قیام پاکستان کے بعد بھی قائد اعظمؒ کی تقریروں میں اسی خواہش اور عزم کا اظہار ملتا ہے ۔سید مودودیؒ نے اپنی جماعت اسلامی کی معیت میں پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی کوشش کی تو قائد اعظمؒ کی وفات کے چند ہفتے بعد انھیں جیل میں ڈال دیا گیا۔

ڈاکٹر قریشی اپنی کتاب " علما سیاسی میدان میں"صفحہ 352 پر مولا نا مودودیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں

اُنھوں نے متحدہ قومیت کے تصور کی اس لیے مخالفت کی کہ ان کو یقین تھا کہ اگر مسلمان ہندوستانی قومیت میں ضم ہو گئے تو وہ اسلام سے دور چلے جائیں گے۔ان کو مسلمانوں سے زیادہ اسلام سے دلچسپی تھی۔ان کا کہنا تھا کہ مسلمان اس لیے مسلمان نہیں ہیں کہ وہ کسی قومی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔بلکہ اس وجہ سے مسلمان ہیں کہ وہ اسلام پر ایمان رکھتے ہیں۔اس لیے مولانا مودودیؒ اسلام سے وفاداری کو قوم سے وفاداری پر ترجیح دیتے تھے اور اسی وفاداری کو تقویت پہنچا نا چاہتے تھے اوریہ کام وہی لوگ کر سکتے تھے جو اسلام پر خلوصِ قلب کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں اور صرف زبان سے اسلام،اسلام نہ کرتے ہوں۔مولانا نے مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی،لیکن ان کا یہ خیال ضرور تھا کہ مسلم لیگ کی صفوں میں بھانت بھانت کے لوگوں کو بھر لیا گیا ہے،کیمونسٹ،سیکولرازم کے حامی ،مسلمان قوم پرست،اسلام پر یقین رکھنے والے،باعمل مسلمان اور بے عمل مسلمان یہ سب مسلم لیگ میں شامل تھے۔ان کا کہنا تھا کہ اس قسم کی جماعت جس میں اس قسم کے مختلف الخیال لوگ ہوں آخر کس طرح اسلام کا احیا کر سکتی ہے“۔

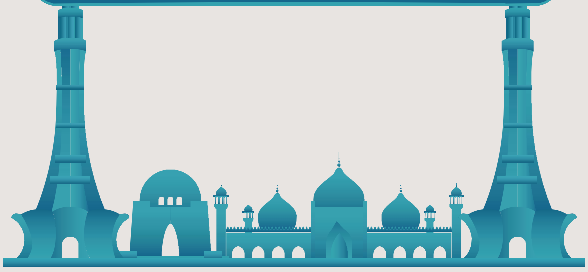

پاکستانیات

مولانا مودودیؒ کے سامنے دو نہایت اہم ،نازک اور غور طلب سوال تھے۔پہلا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان تقسیم ملک کے لیے اپنا پورا زور لگا دینے کے بعد خدا نخواستہ اس کی کوشش میں ناکام ہو جائیں تو اس قومی شکست کے اثرات و نتائج سے اسلام ،اسلامی تہذیب ا ور مسلمانوں کی اسلامی انفرادیت کو بچانے کی کیا شکل ہوگی۔؟دوسرا سوال یہ تھا اگر ملک تقسیم ہواتو ہندوستان کے بڑے حصے میں جو کروڑوں مسلمان رہ جائیں گے ان کے اندر اسلام کی شمع روشن رکھنے اور اس کے نور کو پھیلانے کی کیا صورت ہو گی؟اور پاکستانی تحریک کی رہنمائی جس قسم کے لیڈر کر رہے ہیں اگر انھی کی رہنمائی میں پاکستان قائم ہوا تو اس کو ٹرکی کی طرح ایک لادینی ریاست بننے سے بچانے اور ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لیے کیا تدبیر کی جاسکتی ہے۔؟مولانا کے نزدیک یہ دو سوال اس قدر اہم تھے کہ اس برعظیم میں اسلام کے مستقبل کا انحصار انھی کے صحیح حل پر موقوف تھا۔مولانا نے انہی خدشات کے پیش نظر قیام پاکستان سے پہلے ہی ان تمام لوگوں کو اکٹھا کیا جو جماعت اسلامی کی دعوت سے متاثر ہو چکے تھے چناچہ اگست 41 میں جماعت اسلامی کی بنا ڈال دی گئی جس کا مقصد اسی وقت سے ایک ایسے منظم اور تربیت یافتہ گروہ کی تیاری تھا جو اس بر عظیم میں اسلام کے غلبے کے لیے کام کرنے کے قابل ہو ۔اگر خدانخواستہ مسلمان تقسیم ملک کی جدوجہد میں ناکام ہو جائیں تو یہ گروہ اس ناکامی کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود رہے اور اگر ملک تقسیم ہوجائے تو ہندوستان اور پاکستان دونوں میں یہ گروہ اسلام کا علم بلند کرنے کے لیے تیار رہے۔ (جماعت اسلامی کا مقصد تاریخ اور لائحہ عمل۔صفحہ:25)

اساتذہ اور علماء دونوں ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لیے نہ تو قوم کی تربیت کر رہے ہیں نہ کوشش۔آج مولانا مودودیؒ کی جدو جہد کو سامنے لانے کا مقصد یہی تھا۔کہ یہ سب عظیم لوگ تو اپنا کام کر کے چلے گئے ۔اب اس ملک میں اسلامی نظام نا فذ کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔اس نظام کو نافذ کرنے کے لیے ہم سب کو کوشش کرنی چاہیے ہم سب جس جگہ جس حیثیت میں بھی ہیں ۔ہمیں ہمیشہ اپنے دین اور ملک پاکستان کے لیے مخلص ہونا چاہیے۔

القرآن

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو۔ بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو۔

(سورۃ الاسراء ، 23)

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے اور لوگوں کا اس پر مطلع ہونا تم پر ناگوار گزرے۔

(جامع ترمذی، 2389)

افکارِ اعلیٰ

اجتماعی نظام کی طاقت

سید ابوالاعلیٰ مودودی
(رحمتہ اللہ علیہ)

" جس طرح آپ نے کسی بڑے مجمع میں دیکھا ہو گا کہ سارا مجمع جس طرف جا رہا ہو اُس طرف چلنے کے لئے تو آدمی کو کچھ قوّت لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ مجمع کی قوت سے خودبخود اُسی طرف بڑھتا چلا جاتا ھے ۔ لیکن اگر اُس کی مخالف سَمت میں کوئی چلنا چاہے تو وہ بہت زور مار کر بھی بمشکل ایک آدھ قدم چل سکتا ھے اور جتنے قدم وہ چلتا ھے مجمع کا ایک ہی ریلا اس سے کئی گنا قدم اُسے پیچھے دھکیل دیتا ھے ۔

اِسی طرح اجتماعی نظام بھی جب غیر صالح لوگوں کی قیادت میں کُفروفسق کی راہوں پر چل پڑتا ھے تو افراد اور گروہوں کے لیے غلط راہ پر چلنا تو اتنا آسان ہو جاتا ھے کہ اُنہیں خود اس پر چلنے کے لیے کچھ زور لگانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اگر وہ اس کے خلاف چلنا چاہیں تو اپنے جسم و جان کا سارا زور لگانے کے بعد بھی ایک آدھ قدم ہی راہِ راست پر بڑھ سکتے ہیں اور اجتماعی رَو اُن کی مزاحمت کے باوجود اُنہیں دھکیل کر مِیلوں پیچھے ہٹا لے جاتی ھے ۔ "

(تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں)

تعلیم ، سائنس اور ٹیکنالوجی

علم پر مبنی معیشت کا سب سے اہم عنصر اس کے معیاری تعلیم یافتہ، پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے لیس کارندے ہوتے ہیں۔لہٰذا اسکولوں ، کالجوں ، اور جامعات کا تعلیمی معیار اور تعلیمی نظام میں انقلابی تبدیلیاں لانے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ انتہائی اہم ہے کہ طلباء میں مسائل کو حل کرنے کی مہارت ، جدت طرازی اور تنقیدی سوچ اجاگر کی جائے۔

تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی

بالخصوص سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی پر زور دیا جائے۔ اس کیلئے ہماری حکومت کو معیاری تعلیم کی فراہمی اور امتحانی نظام کے انداز میں بنیادی اصلاحات کی ضرورت ہے ۔ موجودہ نظام تعلیم رٹ کر پاس ہونے کی ترغیب دیتا ہے اور مسائل کے حل تلاش کرنے پر بہت کم توجہ دیتا ہے۔ ہمیں کم از کم اپنی GDP کا 6% حصّہ تعلیم کیلئے مختص کرنا چاہیئے جس کا ایک چوتھائی حصّہ اعلیٰ تعلیمی شعبے کیلئے مختص کیا جائے۔ یہ قدم عالمی معیار کے تحقیقی اداروں کے قیام اور اعلیٰ معیار کے پیشہ ور افراد (سائنسدان اور انجینئر) اور تکنیکی تربیت یافتہ افرادی قوت کی تشکیل میں مدد گار ثابت ہوگا۔اس سے وابستہ افراد مناسب تعداد میں مہیا ہو سکیں (R&D) طرح معیاری ماہر اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے لیس تحقیق و ترقی گے۔ ان کی تعداد تقریباً 2500 سے 3000افرا دفی دس لاکھ آبادی ہونی چاہیئے تاکہ یہ دیرپا ترقی کا سبب بن سکیں

اسی طرح ملک کے نجی شعبوں کا علمی معیشت کے قیام میں کلیدی کردار ہوتا ہے۔ پاکستان کو اہم نجی شعبوں کو فروغ دینے کیلئے مناسب منصوبہ بندی، صنعتی حلقوں میں سرمایہ کاری اور ترغیبات پر زور دینا چاہیئے۔ حکومت کو اعلیٰ تکنیکی صنعتوں سے وابستہ نجی کمپنیوں سے کاروباری معاہدے کرنے چاہئیں تاکہ ان کو فروغ دیا جائے۔ حکومت کو چاہیئے کہ صنعتی صلاحیتوں کو بڑھانے کیلئے اندرونی اور بیرونی علمی افراد کو متعین کرے جن میں انتہائی ہنرمند مشیر انتظامی امورشامل ہوں، اور عملی تجزیئے(R&D) نجی شعبوں میں تکنیکی ماہرین کی ملازمت کے دوران تربیت کی حوصلہ افزائی کی جائے، اور تحقیق و ترقی کیلئے سہولتیں فراہم کی جائیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ علمی صنعتی گروپ بنائے جائیں تاکہ مثبت باہمی اشتراک اور کارآمد علم باہمی تعاون سے استعمال ہو سکے۔

یہاں ان اقدامات کی دو مثالیں پیش ہیں جو میں نے وفاقی وزیر برائے سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں 2001ءمیں لئے تھے۔ اس وقت ٹیلی مواصلات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی بھی اسی وزارت کا حصّہ تھیں۔ 2001ء میں ملک بھر میں صرف تین لاکھ موبائل فونز تھے۔ ان دنوں کال موصول ہونے والے کو بھی اس کا معاوضہ دینا پڑتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ عام آدمی موبائل فونز رکھنے سے کتراتا تھا ۔تو ہم نے فیصلہ کیا کہ آئندہ صرف کال کرنے والے ہی کو معاوضہ دینا پڑے۔اسکے علاوہ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ یو فون (پی ٹی سی ایل کا ذیلی ادارہ) کو شروع کیا جائے تاکہ مقابلے میں یہ نئ کمپنی آئے اور کالوں کے نرخوں میں کمی آسکے ۔اس قدم کے نتائج نہایت شاندار سامنے آئے اورپاکستان بھر میں 2001ء میں موجود تین لاکھ موبائل فونز کی تعداد میں شدّت سے اضافہ ہوا اور آج ملک بھر میں 15 کروڑسے زائد موبائل فونز ہیں اور قومی معیشت کا یہ سب سے تیز بڑھنے والا کاروبار ثابت ہوا ہے۔ دوسرا اہم فیصلہ تھا انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے میں اضافہ کرنا،جس کیلئے بہت سی جامعات میں آئی ٹی کے ادارے قائم کئے گئے۔

تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی

وقف کی گئیں اور 2000 سے زائد طلباء کو کمپیوٹر (endowments) اس شعبے کو فروغ دینے کیلئے 80 کروڑ کی موقوفات سائنس اور اس سے ملحقہ مضامین میں پی ایچ ڈی کیلئے بیرون ملک بھیجا گیا ۔ آئی ٹی کی صنعت کو پندرہ سالہ ٹیکس کی چھوٹ دی گئی جس کی میعاد اس سال ختم ہو جائیگی۔ اسکے نتیجہ میں 10 اگست 2015ء میں نیو یارک ٹائمز میں شائع ہوئے ایک مقالے کے مطابق 2001ء میں پاکستان میں اس شعبے سے نہایت کم آمدنی یعنی صرف تین کروڑ ڈالر موصول ہوتی تھی اوراب اسکی آمدنی بہت شاندار طریقے سے بڑھ کر 2.8 ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہے۔ فری لانس پروگرامرز کی مد میں پاکستان کی سالانہ آمدنی 85 کروڑ ڈالر تک جا پہنچی ہے جس نے پاکستان کو اس میدان میں امریکہ اور بھارت کے بعد تیسرے نمبر پر لا کھڑا کیا ہے۔

یہ دو مثالیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ کس طرح صحیح حکومتی پالیسیاں ملکی معیشت پر اثرانداز ہوتی ہیں۔
پاکستان کو اگر بڑھنا ہے تو ایک قومی ایمر جنسی لگانی ہوگی تاکہ ہماری قوم اپنا سارا زور تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی اور جدت طرازی کی طرف لگائے اور ایسی نئ صنعتیں قائم کی جائیں جیسا کہ سنگاپور اور کوریا نے کیا ہے تاکہ ہم غربت کے شکنجے سے آزاد ہو سکیں۔ کیا کوئی ہےایسا موجودہ حکومت میں جو ان باتوں کو سمجھ سکے؟

تحریر
ڈاکٹر عطاء الرحمن

مقصدِ شہادت حُسینؓ

ہر سال محرم میں کروڑوں مسلمان شیعہ بھی اور سنی بھی، امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان غمگساروں میں سے بہت ہی کم لوگ اس مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں جس کے لیے امام نے نہ صرف اپنی جان عزیز قربان کی بلکہ اپنے کنبے کے بچوں تک کو کٹوا دیا۔ کسی شخص کی مظلومانہ شہادت پر اس کے اہلِ خاندان کا، اور اس خاندان سے محبت و عقیدت یا ہمدردی رکھنے والوں کا اظہارِ غم کرنا تو ایک فطری بات ہے۔ ایسا رنج و غم دنیا کے ہر خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی قدر و قیمت اس سے زیادہ نہیں کہ اس شخص کی ذات کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی اور خاندان کے ہمدردوں کی محبت کا ایک فطری نتیجہ ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ امام حسینؓ کی وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی ہر سال ان کا غم تازہ ہوتا رہے؟ اگر یہ شہادت کسی مقصدِ عظیم کے لیے نہ تھی تو محض ذاتی محبت و تعلق کی بنا پر صدیوں اس کا غم جاری رہنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور خود امام کی اپنی نگاہ میں اس محض ذاتی و شخصی محبت کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ انہیں اگر اپنی ذات اس مقصد سے زیادہ عزیز ہوتی تو وہ اسے قربان ہی کیوں کرتے؟ ان کی یہ قربانی تو خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اس مقصد کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر ہم اس مقصد کے لیے کچھ نہ کریں، بلکہ اس کے خلاف کام کرتے رہیں تو محض ان کی ذات کے لیے گریہ و زاری کر کے، اور ان کے قاتلوں پر لعن طعن کر کے قیامت کے روز نہ تو ہم امام ہی سے کسی داد کی امید رکھ سکتے ہیں اور نہ یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان کا خدا اس کی کوئی قدر کرے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ مقصد کیا تھا؟ کیا امام تخت و تاج کے لیے اپنے کسی ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے سر دھڑ کی بازی لگائی؟ کوئی شخص بھی جو امام حسینؓ کے گھرانے کی بلند اخلاقی سیرت کو جانتا ہے، یہ بدگمانی نہیں کر سکتا کہ یہ لوگ اپنی ذات کے لیے اقتدار حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں میں خوں ریزی کر سکتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر کے لیے ان لوگوں کا نظریہ ہی صحیح مان لیا جائے جن کی رائے میں یہ خاندان حکومت پر اپنے ذاتی استحقاق کا دعویٰ رکھتا تھا، تب بھی حضرت ابو بکرؓ سے لے کر امیر معاویہؓ تک، پچاس برس کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حکومت حاصل کرنے کے لیے لڑنا اور کشت و خون کرنا ہرگز ان کا مسلک نہ تھا۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امام عالی مقام کی نگاہیں اس وقت مسلم معاشرے اور اسلامی ریاست کی روح اور اس کے مزاج اور اس کے نظام میں کسی بڑے تغیر کے آثار دیکھ رہی تھیں، جسے روکنے کی جدوجہد کرنا ان کے نزدیک ضروری تھا، حتیٰ کہ اس راہ میں لڑنے کی نوبت بھی آجائے تو وہ نہ صرف اسے جائز بلکہ فرض سمجھتے تھے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی
(رحمتہ اللہ علیہ)

عثمان پبلک اسکول سسٹم

UPSS

Shaping the leaders of Ummah

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

تربیہ

Copyright 2022 © Usman Public School System Design by IT Department